رسائل ومسائل

بعض شرعی قوانینِ حرمت پر سوالات

جناب نعیم صدیقی صاحب

سوال

۱۔ کیا شریعت اسلامیہ کی رُو سے کسی اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو —— شراب نوشی سے نہیں روکا جاسکتا، نیز کیا اُن کا حق ہے کہ انہیں شراب کشید کرنے، اُسے درآمد برآمد کرنے اور اس کا ذخیرہ کرنے، اُسے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے اور بیچنے اور خریدنے کی اجازتِ عام حاصل ہو؟

۲۔ کیا لفظ "اجتناب" لفظِ حرمت کو ظاہر نہیں کرتا؟ اگر اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی تو پھر جوئے کو بھی دائرۂ حرمت سے نکالنا ہوگا۔

۳۔ کیا "سدومیت" (SADOMY) کو حرام قرار دینے والا کوئی لفظ قرآن میں ہے؟

۴۔ کیا جس خمر سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے وہ صرف انگور سے بنتی ہے اور بقیہ تمام اقسام حکمِ اجتناب کی زد سے بھی باہر ہیں۔

۵۔ کیا ایک اسلامی ریاست کے کسی ایسے قاضی کو مسندِ قضاء کے نااہل قرار دینے کے لیے عدالتی چارہ جوئی کی جاسکتی ہے جو شریعتِ اسلامیہ کے مسلّمہ احکامِ حلّت و حرمت کو مسخ کرے؟

جواب

پہلے یہ امر ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ قرآن محض ایک ایسا ملفوظی ضابطہ نہیں ہے جو یکایک کسی غار کی کھدائی کے دوران میں ہاتھ لگ گیا ہو اور اس کی اصطلاحات اور اس کے طریق استدلال اور

اس کے احکامِ حلال و حرام کو سمجھنے کے لیے ہمارے پاس لغت اور گرامر اور اپنی ذہنی کاوشوں کے علاوہ کچھ نہ ہو۔ الفاظِ قانون (LETTERS OF THE LAW) کے ساتھ ایک عظیم المرتبہ رسول کو بھیجا گیا اور اسی کے ذریعے یہ قانون ملّتِ اسلامیہ کو عطا ہوا جس کی ڈیوٹی قرآن میں صاف طور پر یہ بتائی گئی ہے کہ وہ قرآن کے منشا کو واضح کرے اور اس کی تعمیل کرنے کا عملی نمونہ مہیا کرے۔ اُس رسول برحق کی دعوت سے ایک جماعت نمودار ہوئی۔ ایک تحریک برپا ہوئی۔ پھر نظامِ حق کی عملی تشکیل ہوئی۔ اور اس کے روزمرہ معاملات پر خدا کے رسول ؐ نے آیاتِ الٰہی کو چسپاں کر کے امت کو تربیت دی کہ کہاں کس لفظ کا منشا کیا ہے، کس آیت سے کیا مراد ہے اور کن چیزوں کو منع کیا گیا ہے اور کن کو قابلِ سزا جرم قرار دیا گیا ہے۔ اب کچھ لوگ ایسے پیدا ہوتے ہیں جو قرآن کو اُس رسول ؐ اور اس کی برپا کردہ تحریک اور اُس کے قائم کردہ نظام اور اُس کی قولی و عملی تشریحات سے کاٹ کر الگ کر لینا چاہتے ہیں اور پھر قرآن کے اندر سے قوانین اور اصطلاحات کو لے کر ان کو اُسی طرح تختۂ مشق بنانا چاہتے ہیں جیسے کہ کسی غار سے اچانک ایک قدیم دستاویز مل گئی ہو یا کسی پہاڑ کی چوٹی پر کسی چٹان کے پھٹنے سے ایک طومار برآمد ہو گیا ہو۔ چنانچہ اب رجم اور شراب نوشی وغیرہ کے متعلق نئے نئے انکشافاتی احکام سامنے آ رہے ہیں۔ شراب کی حرمت کے متعلق روزِ اول سے آج تک پوری اُمت میں کبھی کوئی اختلافِ رائے نہیں ہوا۔

اب میں ترتیب وار سوالات کے جواب عرض کرتا ہوں:

۱ —— اصولی طور پر میں علامہ یوسف القرضاوی کی تحقیق سے متفق ہوں کہ اسلام کا ضابطۂ حلال و حرام پوری انسانیت کے لیے ہے۔ اور جب اسلامی ریاست قتل اور چوری اور زنا اور سود خواری کو جرمِ عام قرار دے گی تو شراب نوشی اور شراب سازی اور شراب فروشی کو بھی پوری مملکت کے تمام شہریوں کے لیے حرام ٹھہرائے گی۔ ان احکام کی نوعیت کسی گروہ کے شخصی قانون (PERSONAL LAW) کی نہیں ہے، بلکہ یہ قوانینِ عامۂ مملکت (LAW OF THE LAND) کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یہ استدلال کہ شراب کا استعمال بعض گروہوں کے ہاں مذہبی اہمیت رکھتا ہے، اس بنا پر قابلِ قبول نہیں ہے کہ جو شے ناپاک شیطانی کام (رجس من عمل الشیطٰن) کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کے

استعمال کے مضرات صرف وقتی ہی نہیں ہوتے بلکہ معاشرے کی فلاح و بہبود پر دور تک مسلسل اثر انداز ہوتے ہیں ۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ جیسے ہندوؤں میں ستی کی جو رسم پائی جاتی تھی ۔ یا بعض قوموں اور قبیلوں میں مذہبی رواج ہے کہ اندھیرے میں بستی کے زن و مرد جمع ہو کر جنسی اباحتِ عام سے حظ اندوز ہوتے ہیں ۔ یا یہودیوں کے ہاں (غیر یہودی) انسانی خون کا جو پُر تقدس مذہبی استعمال ہوتا رہا ہے، ان ساری صورتوں کو جائز قرار دے دیا جائے ۔

غیر مسلموں کے لیے اقلیتی حقوق کی بنیادوں پر شراب کے جواز کی راہیں کھولنے کا جو تجربہ ہمیں اپنی تاریخ کے عباسی دور میں پیش آیا ہے ۔ وہ حد درجہ تباہ کن ثابت ہوا ہے ۔ طبری اور الاغانی کے علاوہ فلپ حتی نے بھی ایسے ثقافتی اڈوں کا ذکر کیا ہے ۔ جن میں شراب و شاہد کا انتظام ہوتا تھا اور انہیں زیادہ تر یہودی، عیسائی (اور مجوسی) چلاتے تھے ۔ کوفہ میں ایک ایسا عشرت کدہ ابن رامین کا تھا جس کی مشہور مغنیہ سلامۃ الزرقا تھی ۔ ان اڈوں پر مسلمان نوجوان، خصوصاً اس دور کے دانشور یعنی شعراء ادبا جمع ہو کر خوش وقت ہوتے اور پھر اسی رندانہ ثقافت کے گن گاتے ۔ ان اڈوں کو ذہین مسلم نوجوانوں کے اخلاق کی تباہی کے لیے اسی طرح استعمال کیا گیا، جس طرح موجودہ دور کے یہودی غیر یہودیوں میں زہریلی منشیات کو عام کرنے میں مصروف ہیں[۱] ۔ یہ یہودی ہی تھے جنہوں نے امریکہ میں قانونِ امتناعِ شراب کو ناکام کر دیا ۔

آج اگر ہم غیر مسلموں کو شراب نوشی اور شراب فروشی کی اجازت دے دیں تو یہ مسلمانوں کی اخلاقی تباہی کے لیے ایک مشن کے تحت اپنے اڈوں سے کام کریں گے ۔

پھر سوال یہ ہے کہ جب دنیا کی مختلف بندرگاہوں اور جہازوں سے پاکستان کی اقلیتوں کے لیے شراب آ رہی ہوگی یا دنیا میں جا رہی ہوگی تو دنیائے اسلام اور دنیائے کفر میں یہی تو کہا جائے گا کہ پاکستان شراب امپورٹ یا ایکسپورٹ کرتا ہے ۔ علاوہ ازیں شراب کی نقل و حمل کے لیے ہمارے معاشرے

۱؎ دس بارہ سال پیشتر کے شاہی ایران میں ایک پاکستانی مسلم نوجوان کا گزر کسی یہودی کی چھوٹی سی سگریٹوں وغیرہ کی دکان پر ہوا ۔ باتوں باتوں میں اس یہودی نے بڑے بھاری کمیشن کی پیش کش کرتے ہوئے کہا کہ تم ہمارا مال (منشیات) پاکستان میں لگواؤ ۔

کی ریلیں اور ٹرک استعمال ہوں گے اور جگہ جگہ شراب کے پارسلوں کا اندراج ہوگا ۔ کسٹم اور سیلز ٹیکس کے لیے اُن کا جائزہ لیا جائے گا ۔ اس کے بعد شراب سے وہ نفرت تو باقی نہیں رہ سکتی جو حرام ماکولات و مشروبات کے لیے اسلام ودیعت کرتا ہے اور نفس کے لیے ایک بڑی روک ہی ایمانی نفرت ہوتی ہے ۔

شراب کے جو اثرات دُنیا میں ٹریفک کے حادثات ، ازدواجی بگاڑ ، جرائم ، بہیمانہ تشدد ، خودکشی ، پاگل پن ، نیم پاگل پن اور دیگر امراض کی صورت میں اب تک ظاہر ہو چکے ہیں ، ان کے ہوتے ہوئے ہم اپنے ہاں کی کسی آبادی کو کیسے اجازت دے سکتے ہیں کہ وہ ہمارے معاشرے میں ان برائیوں کو پھیلانے کے لیے خصوصی حق حاصل کرے ۔ اور پھر شراب نوشی آدمی کو جس نشہ میں مبتلا کرتی ہے وہ خیانت و بدعنوانی کی رفتار میں اضافہ کرتی ہے ۔

میں نہیں سمجھتا کہ محض لفظوں کی چیر پھاڑ سے اُوپر کے عرض کردہ مفاسد کا ازالہ کیا جا سکتا ہے ۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنے آپ کو اقلیتوں کے لیے فراخدل ثابت کرنے کی خاطر اکثریت کو ہزار خرابیوں کا شکار بننے کے لیے چھوڑ دیں ۔

قرآن آج کل کے قانون دانوں کے ذوق کے مطابق خالص کتاب قانون نہیں ہے ۔ جس میں دفعہ وار ضابطہ بندی (CODIFICATION) کی گئی ہو اور ہر ایکٹ کے شروع میں عنوان درج ہو ، پھر اصطلاحات اور اُن کے مفہوم کو متعین کیا گیا ہو ۔ یعنی باقاعدہ کسی دفعہ یا دفعات میں صراحت و وضاحت ہو کہ جب لفظِ حرام استعمال ہوگا تو معنی یہ ہوں گے ۔ اور جب کوئی دوسرا طریق منع و نہی استعمال ہوگا تو اُس کے معنی وہ ہوں گے ۔

قرآن سب سے پہلے ایک دین کی دعوت اور اُس کے لیے اُٹھائی جانے والی تحریک (بلکہ مختلف زمانوں کی تحریکوں) کی روئیداد بھی ہے ۔ اساسی حقائقِ کائنات و حیات کا آئینہ دار ایک صحیفہ بھی ہے جس میں مخالف خیالات کا توڑ کر کے محکم دلائل سے کچھ عقائد کو پیش کیا گیا ہے ، وہ کتاب اخلاق بھی ہے اور اخلاقی ضابطے بتلانے سے زیادہ انسان کے اندر خدا پرستانہ اخلاقی ذمہ داری کا احساس بیدار کرنے کی محرک ہے ، وہ خدا پرستی اور دُنیا پرستی کی کشمکش کی پچھلی تاریخ کا خلاصہ بھی اپنے اندر رکھتی ہے ، اور ان ساری چیزوں کے ساتھ ساتھ اُس میں نازل شدہ قوانین اور اُن کے

اجزاء سے پیدا ہونے والے مسائل کا ذکر بھی ہے۔ یہ سب کچھ قرآن میں ملا جلا بیان ہوا ہے اور کبھی اعتقادی امور پر کلام قانونی حکم سے ملا ہوا ہے، کبھی قانونی حکم کے ساتھ اخلاقی تلقین شامل ہے اور کبھی ماضی کے کسی واقعے کے بیان کے ساتھ حلال و حرام کی کوئی تصریح کی گئی ہے۔ کوئی مقام ایسا نہیں جہاں حرام، مکروہ، مکروہ تحریمی، حلال، مباح اور پسندیدہ وغیرہ اصطلاحات کی لسٹ دے کر ان کے فروق بیان کیے گئے ہوں اور نہ کوئی یکجائی بیان ایسا ہے جس کے متعین قانونی الفاظ سے معلوم ہو جائے کہ مکمل حرمت و امتناع کے لیے لفظ حرام یا مصدر تحریم کے علاوہ اور کون کون سے الفاظ اور انداز بیان مترادف ہیں۔ یہ تو مفسرین و فقہاء کی محنتیں ہیں کہ انہوں نے ــــ قرآن کے منہیات کو مختلف آیات سے لے کر سامنے رکھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریحات کی روشنی میں تعین کیا کہ حرام قرار دینے کے لیے کس کس طرح کے الفاظ اور اسلوب نہی قرآن نے اختیار کیے ہیں۔

مثلاً جن چیزوں کو لفظ حرام (یا اس مادے کے دوسرے مشتقات) سے ممنوع قرار دیا گیا ہے وہ حسب ذیل مقامات پر مذکور ہیں:

۱- اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ - (البقرہ - ۱۷۳ - نیز قدرے مختلف الفاظ میں۔ المائدہ ۳، الانعام ۱۴۵ اور النحل ۱۱۵ -

سورۂ مائدہ کی آیت ۳ میں یہ اضافہ ہے:- ۱- وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ۔
۲- وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ ۳- وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ[1]

۲- لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ (المائدہ - ۹۵)

یہاں حرمت کا حکم محض کلمۂ نہی "لا" سے دیا گیا ہے اور اس کے بعد سزا یا کفارہ بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ ساری بات کر چکنے کے بعد پھر دہراتے ہوئے فرمایا کہ حرم علیکم صَيْدُ الْبَرِّ مَا

---

[1] یہاں آگے کے الفاظ ہیں ذٰلِكُمْ فِسْقٌ یعنی پانسوں سے تقسیم کردہ گوشت (یا دوسرے مال) کو حرام کرنے کی وجہ یہ بتائی کہ یہ تمہارے لیے فسق یا گناہ ہے۔ اس سے یہ اشارہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ حرام کے لیے فسق یا فاسق کے لیے حرام کے الفاظ کا متبادل استعمال ہو سکتا ہے۔

دُمْتُمْ حُرُمًا (المائدہ: ۹۶)

یہاں لفظ حُرُم کے ساتھ صرف "صید البر" کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ پہلے حکم ممانعت میں محض "صید" کا عمومی ذکر ہے۔ پھر وہاں کفارہ کا بیان بھی کر دیا گیا ہے۔ التباس نہ ہونے کی دو وجہیں ہیں:۔ ایک یہ کہ دونوں باتیں ایک ہی سلسلۂ کلام کا حصہ ہیں۔ دوسری یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہی کے دائرہ میں تعین فرمانے کے لیے موجود تھے کسی کو مغالطہ نہیں ہوا۔

المائدہ ۱ میں بھی یہ ممانعت موجود ہے۔

۳۔ حَرَّمَ الرِّبٰوا (البقرہ: ۲۷۵)

۴۔ الانعام میں حرمتوں کا ایک تفصیلی بیان ہے۔ فرمایا: قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ (آیت ۱۵۱)

اس کے بعد حسب ذیل امور کو گنا گیا ہے:

ا۔ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا (حرمت کا حکم حرفِ نہی "لا" سے)

ب۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔

اب اگر کوئی شخص کہے کہ قرآن کو قرآن سے سمجھنا اور اس کے الفاظ کو ضابطے کی طرح لینا ہے تو ظاہر بات ہے کہ ایسا آدمی یہی نتیجہ نکالے گا کہ والدین سے حسنِ سلوک کو نعوذ باللہ حرام کر دیا گیا ہے۔ مثبت تقاضا بیان کر کے امر منہی عنہ کو محذوف کر دیا ہے۔

ج۔ وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ خَشْيَةِ اِمْلَاقٍ

د۔ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (یہاں حکم ممانعت لَا تَقْرَبُوْا سے دیا گیا ہے)

ر۔ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ۔

س۔ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔ (یہاں پھر لَا تَقْرَبُوْا سے نہی کی گئی ہے)۔

ص۔ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ۔

یہاں پھر وہی اسلوب ہے کہ امر مطلوب کو بیان کیا جا رہا ہے اور اس کے مخالف جس چیز کو ممنوع

ٹھیرانا مطلوب ہے اُسے محذوف کر دیا گیا ہے۔

ط۔ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا ۔ یہاں پھر مثبت اور اُس کی متضاد صورت جسے حرام کیا جا رہا ہے، محذوف ہے۔

ع۔ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ أَوْفُوا ۔ یہاں بھی وہی صورت ہے۔

۵۔ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۔ (النور ۔ ۳) یہاں حکم یہ ہے کہ مشرک یا زانی مرد یا مشرکہ یا زانی عورت سے ویسے ہی مرد و زن نکاح کر سکتے ہیں۔ مومنوں کے لیے یہ ممنوع ہے۔

۶۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ..... الخ (النساء ۲۳)

اِن مثالوں کو سامنے رکھنے کے بعد حرمت کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے قرآن کے چند اور مواقع پر نگاہ ڈالنا ضروری ہے۔

پہلی مثال :۔ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ (المائدہ ۷۲)
یہاں حرّم کے معنی واضح ہیں کہ مشرکین کے لیے جنت ممنوع الدخول ہے۔

دوسری مثال :۔ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ (القصص ۔ ۱۲) یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بتایا گیا کہ ولادت کے فوراً بعد جب وہ قصرِ فرعون میں پہنچے تو انھوں نے کسی بھی دایہ کا دودھ نہ پیا۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام کر دینے کا مطلب ہے کہ ہم نے بحکم خاص حضرت موسیٰؑ کو اس سے روک دیا کہ وہ کسی دایہ کا دودھ پئیں۔

تیسری مثال :۔ وَحَرَامٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۔ یعنی جن بھی بستیوں یا قوموں کو ہلاک کیا گیا۔ اُن کے لیے (خواہ اُن کے اعمال کی وجہ سے) بُرائی کی راہ سے پیچھے پلٹنے کا راستہ بند ہو چکا تھا۔

چوتھی مثال :۔ قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ (المائدہ ۔ ۲۶) یعنی بنی اسرائیل کو نفخ ذریعہ اُن کے انکارِ جہاد کی وجہ سے چالیس برس کے لیے ناممکن بنا دیا گیا۔ یہ مطلب نہیں کہ اُن کو حکم دیا گیا کہ خبردار اُدھر کا رُخ نہ کرنا۔ اُدھر جانا حرام ہے۔

پانچویں مثال :۔ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِينَ (الاعراف ۔ ۵۰) اہلِ دوزخ

جنت والوں سے پانی مانگیں گے تو اُدھر سے جواب ملے گا کہ یہ تو کفار کے لیے ممنوع الاستعمال ہے۔ ان ساری مثالوں سے حرمت کا جو تصور اُبھرتا ہے وہ ممنوعیت کا ہے۔ کوئی چیز منع ہے یا کسی چیز سے روک دیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایسے اور الفاظ یا اسالیب نہیں ہو سکتے جو ممنوعیت کا مفہوم دیتے ہوں؟ جواب یہ ہے کہ قرآن میں شدید قسم کے احکامِ امتناعی کی ایسی مثالیں موجود ہیں جس کے لیے حرمت کے مادے کا کوئی لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔ اختصار کے لیے میں صرف ایک مثال دوں گا۔

سورۃ الحجرات میں تین باتوں کی ممانعت کی گئی۔ ۱- لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۲- لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ ۔ ۳- وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ (آیت ۱، ۲)[1]

اتنی بات سامنے ہو تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ تو ایک عام اخلاقی سفارش ہے۔ مگر اس کلام کا آئندہ جملہ یہ ہے کہ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۔ یعنی اگر تم خدا اور رسول کی بارگاہ میں حدِ ادب سے تجاوز اختیار کرو گے، اگر تم خدا کے رسول کی آواز کے بالمقابل اپنی آواز کو بلند تر کرو گے اور اسی طرح تُنک تُنک کر بات کرو گے جیسے ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تمہارے سارے اعمالِ حسنہ اکارت جائیں گے اور (چونکہ حبطِ اعمال کی کارروائی کو تم دیکھ نہیں سکتے لہٰذا) تمہیں خبر بھی نہ ہو گی۔ حبطِ اعمال کی وعید نے بتا دیا کہ مذکرہ ممنوعات کی شدت کس درجے کی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ شدتِ امتناع کے لیے قرآن کے پاس لفظِ حرمت کے علاوہ بھی سرمایۂ الفاظ و اصطلاحات ہے۔

---

[1] اسی حرفِ نہی کے استعمال کی ایک اور اہم مثال یہ ہے کہ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ (یٰسٓ ۶۰) اور عبادتِ شیطان کی وضاحت دوسرے امتناعی حکم سے ہوتی ہے کہ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ (النور ۲۱)۔ پھر لَا تَتَّخِذُوْا، لَا تَقْرَبُوْا، لَا تَقْتُلُوْا، لَا تَعَاوَنُوْا، لَا تَاْكُلُوْا، وغیرہ بے شمار افعال کا ذکر بصورت نہی کیا گیا ہے۔ ان ساری مثالوں کو یہاں جمع نہیں کیا جا سکتا۔

بے شک آپ نے سوال میں شراب کے لیے اجتناب کے جس حکم (فَاجْتَنِبُوا) کا ذکر کیا ہے، وہ بھی امتناع اور حرمت کے معنی دیتا ہے۔ قرآن مجید میں اس طرح کے احکام ممانعت متعدد ہیں:

۱- وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (النحل ۳۶)

۲- فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ (الحج - ۳۰)

۳- وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ (الحج - ۳۰)

۴- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (الحجرات ۱۲)

۵- جملہ شرطیہ کی صورت میں اجتناب کا ایک مطالبہ یہ ہے کہ إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ (۳۱)[1]

طاغوت، بتوں کی گندگی، قولِ زور اور کثرتِ ظن سے اگر قرآن نے روکا ہے تو دوسرے لفظوں میں ان ممنوعات کو حرام کیا ہے۔ بات محض نظری ناپسندیدگی کی نہیں کہ خیر اگر آپ طاغوت سے بھی دل لگالیں تو کیا حرج، اور بت پرستی کی گندگی میں بھی آلودہ ہو جائیں تو کوئی خاص بات نہیں۔ جھوٹی گواہی دیتے رہیں تو بھی بس یونہی ذرا سرسری سی کمزوری ہے یا اسی طرح لوگوں کے متعلق کثرت سے بدگمانیاں کرتے رہیں تو بھی کوئی ایسا پیچیدہ معاملہ نہیں ہے۔ جی نہیں یہ سب کچھ حرام ہے۔ اسی طرح کبائر اثم کے متعلق کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان کا معاملہ حرام سے کم درجے کا ہے۔ ہاں صرف "ظن" کا ایک معاملہ ایسا ہے کہ چونکہ اس کا تعلق قلب و ذہن سے ہے اس وجہ سے یہ شاید قانونی موضوع نہ بن سکے۔ مگر باقی سارے افعال حرام ہیں، جرم ہیں اور ان پر مناسب سزا ہو سکتی ہے۔

یہی الفاظ شراب کی ممانعت کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔ مگر اس کلمۂ نہی کے ساتھ اور اتنا کچھ کہا گیا ہے کہ بلید الذہن آدمی ہی یہ سوچ سکتا ہے کہ شراب درجۂ اوّل کی منہیات میں سے نہیں ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ "رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ" ہے، یعنی گندا شیطانی فعل۔ پھر یہ کہ اس سے شیطان کا مقصد تمہارے درمیان عداوت و بغضاء پیدا کرنا ہے اور نماز اور ذکر سے روکنا ہے۔ پھر جلالت بھرے انداز میں

---

[1] یہاں کبائر اثم کے متعلق اللہ نے خود ما تُنهون کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کبائر کا ارتکاب حرام ہے۔ لہٰذا محض اللہ کی طرف سے منع کر دینا بھی حرمت کے ہم معنی ہے۔

کہا گیا ہے کہ "پھر کیا تم باز نہیں آؤ گے؟" اس نہی استفہامی کا زور قرآن پڑھنے والا آدمی ہی جان سکتا ہے۔ چنانچہ جس مجلس میں یہ تازہ نازل شدہ کلام سنایا جا رہا تھا۔ اس کے حاضرین آواز بلند پکار اٹھے کہ اے رب ہم باز آگئے! پھر یہ واقعہ بھی شراب نوشی کی شناعت کو واضح کر دے گا کہ امتناعی حکم کی منادی سن کر بعض اصحاب نے ہونٹوں سے لگے ہوئے پیالے الگ کر کے پھینک دیے اور مٹکے گلیوں میں انڈیل دیے۔

شراب نوشی کے جرم پر حضورؐ اور جمیع خلفائے راشدین کے دور میں حد جاری کی گئی۔ ریکارڈ میں لفظ حد ہی ملے گا، تعزیر نہیں۔ بعدہٗ پوری امت میں بلا اختلاف اس بات پر اجماع رہا ہے کہ شراب حرام ہے، اس کا پینا پلانا یا اس کا بنانا اور خریدنا بیچنا سب حرام ہیں۔ بلکہ حضورؐ نے ایسے برتنوں کا استعمال بھی منع کرا دیا جو مے نوشی کے لیے مخصوص سٹائل رکھتے ہوئے[۱]۔ آج یکایک اگر اس متفقہ اجماعی فیصلے کے خلاف آواز اٹھتی ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی ذہن ایسا ہے جو نہ تو قرآن ہی کو کماحقہٗ سمجھنے کی استطاعت رکھتا ہے۔ (محض چند آیات کے چند ٹکڑے سامنے رکھ لیے گئے ہیں) نہ سنت کا احترام کرتا ہے اور نہ پوری امت کے اجماع کو وقعت دیتا ہے۔ ایسے شخص کے نادر چٹکلے کیا پہاڑوں کے پتھروں پر نافذ ہوں گے؟ کیا ایک معاشرے کے معتقدات اور قانونی مسلمات کے علی الرغم زبردستی کوئی نئی چیز اس پر ٹھونسی رہے؟ ظاہر بات ہے کہ اس قسم کی کوششیں جڑیں نہیں رکھتیں، ورنہ خوارج کی بھی تو حکومت قائم ہوئی تھی، ان کے مخصوص طور طریقے امت میں باقی رہ جانے چاہئیں تھے۔ امت کے اساسی اور مجموعی ذہن سے ٹکرانے والی حکومتیں اور عدالتیں کبھی چل نہیں سکتیں۔ دیکھتے دیکھتے تلپٹ ہو جاتی ہیں۔

مستفسر سے گزارش ہے کہ شراب کے متعلق جو استدلال کیا گیا ہے، اسی کو جوئے پر بھی منطبق کر لیں۔ خمر، میسر اور ازلام تینوں رجس من عمل الشیطان ہیں۔ تینوں میں مشترک قسم کے مفاسد موجود ہیں۔ تینوں کے لیے "اجتنبوا" کے لفظ سے نہی شدید کی گئی ہے اور تینوں کے آخر

---

[۱] دُبّا، حنتم، نقیر، مزفت کی ممانعت کے لیے وہ گفتگو سامنے رہے جو سنہ ۸ھ میں حضورؐ نے وفد بنی عبدالقیس کے سامنے کی۔

میں ہے کہ فَهَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ ؟ اور سننے والوں نے اس کا جواب دیا تھا: قَدِ انْتَهَيْنَا يَارَبِّ ! پس یہ حرام قطعی ہیں اور قانوناً جرم ہوں گے اور ان پر سزا جاری ہوگی۔

ایک اور مقام استدلال بھی ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب بلند کے متعلق قرآن مجید میں جو چند جملے اکٹھے کیے گئے ہیں، اُن میں سے ایک یہ ہے کہ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ (الاعراف - ۱۵۷) یعنی حضورؐ بالفاظ قرآن (یا بہ نطق خود) طیب اور پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور خبیث اور گندی چیزوں کو حرام ٹھیراتے ہیں۔ یہاں حلت و حرمت کا ایک ایسا معیار بیان ہوگیا کہ جس کی مدد سے قرآن و حدیث کے مجازات و ممنوعات کو بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ اور جزئی امور میں اگر اجتہاد کرنا پڑے تو اجتہاد بھی کیا جاسکتا ہے۔ اب یہ کام حریف و مدعی کا ہے کہ وہ یہ ثابت کرے کہ شراب خبیث چیزوں میں سے نہیں بلکہ طیبات میں سے ہے یا اُن سے کم تر کسی درجے میں ہے۔

یہ بھی سامنے رہے کہ آنحضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو واضح فرمایا ہے کہ الحلال بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ یعنی حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی۔ وَبَيْنَ ذٰلِكَ اُمُوْرٌ مُشْتَبِهَاتٌ۔ اور ان دونوں کے درمیان کچھ اشتباہی امور ہیں۔ جن کے متعلق اکثر لوگ یہ حکم نہیں لگا سکتے کہ یہ حلال ہیں یا حرام۔ حضورؐ کی تعلیم یہ تھی کہ جس نے بر بنائے احتیاط اپنے دین و عزت کو بچانے کے لیے اُن سے اجتناب کیا وہ بچ نکلا اور جو کوئی اس دائرے کی کسی چیز کی لپیٹ میں آگیا، اس کے لیے بعید نہیں کہ وہ حرام تک جا پہنچے۔ مثال دی کہ جیسے کسی محفوظ چراگاہ (یا کھیت) کے کنارے پر چرنے والے جانوروں سے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ چراگاہ یا کھیت میں جا گھسیں۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ آیا شراب ایسے مشتبہات میں سے ہے کہ انسانوں کی اکثریت یہ سوچتی رہ جائے کہ نہ معلوم یہ طیبات میں سے ہے یا خبائث میں سے اور یہ ممنوع ہے یا ناجائز یا بالفاظِ دیگر حرام ہے یا حلال؟ کیا دنیا بھر کے مذہبی نوشتے، شراب کے متعلق عقلی و تجربی بحثیں اور اس کے اثرات بد کا عالمی ریکارڈ اس قسم کے شبہ کی گنجائش چھوڑتا ہے؟

اور حضورؐ کی قائم کردہ (نمونہ کی) سوسائٹی کا اس سے اجتناب کرنا، امتناعی حکم ملتے ہی مے نوشی بند کر دینا اور متعلقہ برتن توڑ دینا اور شراب نوشوں کو کوڑے لگانا، کیا یہ سب کچھ دریا برد کر کے

سوچا جائے گا۔

تبوک سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی پر وفد ثقیف حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد کے لوگوں نے بعض امور میں بطور خاص استثنیٰ چاہا۔ ان امور میں سے ایک شراب نوشی کی اجازت حاصل کرنا بھی تھی۔ حضورؐ نے یہ اجازت نہیں دی۔ ذرا خیال فرمایئے کہ ابھی اسلام پوری طرح پھیلا بھی نہیں تھا۔ اور ثقیف والوں کی بڑی تعداد اس سے آزاد تھی، اس کے باوجود اُن کو یہ معلوم تھا کہ دینِ محمدؐ میں شراب ممنوع ہے۔ اگر حرام نہ ہوتی تو حضورؐ ڈھیل دے سکتے تھے۔

بہت سی ثقہ روایات کو چھوڑ کر میں ایک ایسا واقعہ لیتا ہوں جسے تاریخ کے ذریعے بچہ بچہ جانتا ہے۔ ابو محجن ثقفی ۹ھ میں اسلام لائے، بہادر، جانباز تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو عراق میں لشکر میں بھیجا۔ پھر معرکہ جسر میں رسالے کی قیادت کی۔ پھر بویب کے معرکے میں داد شجاعت دی۔ اسلام سے پہلے طائف کے تاکستانوں نے ثقفیوں میں شراب نوشی کی وبا پھیلا رکھی تھی۔ اسلام کے غلبے کے بعد بھی انگوروں کا رس بعض طبائع کو بہکاتا تھا۔ روایت یہ ہے کہ ابو محجن کو شراب کی لت تھی، ایک بار پکڑے گئے، حضرت عمرؓ نے کوڑے لگوائے، پھر گرفتار ہونے پر اور سزا ہوئی۔ لیکن جب جرم اور سزا میں یہ کشمکش لمبی ہوگئی تو حضرت عمرؓ نے ان کو جزیرۂ حضوضہ میں نظربند کر دیا۔ یہیں وہ واقعہ پیش آیا کہ انھوں نے جب معرکہ قادسیہ کا حال سنا تو بے قرار ہو گئے۔ اُس وقت جو اشعار ابو محجن نے کہے اُن میں سے ایک یہ تھا ؎

کفیٰ حزناً ان تردی الخیل بالقنا　　　واترک مشدوداً علیّ وثاقیا

(اس سے بڑھ کر دُکھ کیا ہوگا کہ سوار نیزے لیے جنگ میں شریک ہو رہے ہیں اور میں یہاں زنجیروں میں جکڑا ہوا پڑا ہوں)۔

آخری شعر ہے ؎

وَلِلّٰہِ عَہدٌ وَّ لَا اخون بعہدہٖ　　　لئن فرجت ان لا ازور الحوانیا

(میں نے بارگاہِ الٰہی میں عہد کیا ہے اور اس عہد میں خیانت نہیں کروں گا کہ اب اگر مے خانے کے دروازے مجھ پر چوپٹ کھول دیے جائیں تو بھی میں ادھر کا رُخ نہیں کروں گا)۔

ان دردناک اشعار میں چھپے جذبے کا اثر یہ ہوا کہ سپہ سالار سعد بن ابی وقاص کی اہلیہ (سلمیٰ)

یا اُن کی اُم ولد زبرا نے اس وعدے پر اُن کی زنجیریں کھول کر سواری کا گھوڑا بھی دیا کہ شام کو وہ واپس آکر پھر زنجیریں پہن لیں گے۔ انہوں نے شجاعت اور ایفائے عہد کا ایسا نمونہ دکھایا کہ سعد بن وقاص بھی حیرت زدہ رہ گئے۔ رات کو گھر آنے پر ابو محجن کا حال معلوم ہوا تو انہیں آزاد کر کے فرمایا کہ تم جیسے جانباز کو میں قید میں نہیں رکھتا۔ ابو محجن نے جواب دیا کہ اب میں بھی شراب کے قریب نہ جاؤں گا۔

قصے کی مزید تفاصیل سے قطع نظر شراب کی حرمت اور شراب نوشی کے قابلِ سزا جرم ہونے کی بدیہی شہادت موجود ہے اور پھر اس سے بڑی شہادت کیا ہوگی کہ سیدنا عمر فاروق نے اپنے فرزند کو شراب نوشی کی ایسی سزا دی کہ آج بھی لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔

۳ ــــ گناہ ہم جنسی یا سدومیت (SADOMY) کی کوئی سزا واضح طور پر قرآن مجید میں موجود نہیں ہے بلکہ جو لوگ رسولؐ کی تبیینِ قرآن سے آزاد ہو کر خالص قرآنی قانون تک ذہن کو محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ تو یہی کہیں گے کہ یہ حرام نہیں ہے۔ کم تر درجے کی بُرائی ہے۔ اور وہ بھی صرف ازواج کی حد تک۔ لیکن شریعت کا شعور رکھنے والے اذہان فوراً اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ اس جُرم کی شناعت عام زنا سے بھی زیادہ ہے۔ اگر رسولِ خدا کی سنّت اور صحابہؓ کی سوسائٹی کے عملی نمونوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو قومِ لوطؑ کے احوال کے بیان کے علاوہ کوئی براہ راست ممانعت سدومیت کی نہ ملے گی۔ براہ راست ایک ممانعت اشارۃً ہے تو وہ ازواج سے وطی فی الدبر کے بارے ہے۔

ایسی ہی مثالوں سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ "قرآن مع رسولؐ" ہی سے پوری ہدایت مل سکتی ہے جو باہم دگر لازم و ملزوم ہیں۔

۴ ــــ خمر کے مفہوم کو انگوری شراب تک محدود اور امتناع کو اس کے لیے مخصوص رکھنا انہی لوگوں کے لیے ممکن ہے جو رسولؐ سے قرآن کو منقطع کر سکے لیں۔ حضورؐ نے حسبِ ذیل صراحتیں فرمائی ہیں:-

ـــ حضورؐ سے ان شرابوں کے متعلق سوال کیا گیا جو شہد یا جَو وغیرہ سے بنائی جاتی تھیں، جواب میں فرمایا: کُلُّ مُسکِرٍ خمرٌ وکُلُّ خمرٍ حرام (مسلم) ہر نشہ دار چیز خمر ہے اور ہر خمر حرام ہے۔ گویا قرآن میں جو لفظ خمر استعمال ہوا ہے، اُس کے جامع اصطلاحی مفہوم کو آپؐ نے متعین

فرما دیا۔

اگر کوئی شخص اسے نہ ملنے تو اُسے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ انگور کے علاوہ دیگر اجناس سے بننے والی شرابوں میں نشہ نہیں ہوتا۔ اور اُن سے وہ مفاسد نہیں پیدا ہوتے جن کا ذکر ممانعتِ شراب کی آیت میں ہے؟

— دوسری توضیح یہ فرمائی کہ ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام (احمد، ابوداؤد، ترمذی) یعنی جس چیز کی کثیر مقدار نشہ دیتی ہو اُس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔

— شراب سازی، شراب کی تجارت اور نقل و حمل سب کو منع فرمایا۔ حدیث ہے کہ۔

لعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرۃ: عاصرھا و معتصرھا ای طالب عصرھا، وشاربھا وحاملھا والمحمولۃ الیہ وساقیھا وبائعھا واکل ثمنھا، و المشتری لھا والمشتراۃ لہ۔ شراب بنانے والے اور بنوانے والے، لے جانے والے پلوانے، خریدنے اور بیچنے والے اور دیگر متعلقہ فریقوں کو لعنت کا مستحق قرار دیا۔

— ایک شخص نے خمر کے متعلق سوال کیا تو حضورؐ نے اسے اُس کے استعمال سے منع فرمایا۔ اُس شخص نے کہا کہ میں اسے دوا کے طور پر بناتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا "انّہ لیس بدواءٍ ولکنّہ داء" (یہ دوا نہیں، بیماری ہے)۔ (مسلم، احمد، ابوداؤد، ترمذی) اس سلسلے میں ابن مسعود کا روایت کردہ یہ ارشاد ہم تک پہنچا کہ اللہ نے جن چیزوں کو تمہارے لیے حرام کیا ہے اُن میں شفا نہیں رکھی (بخاری، تعلیقاً)

اگر کسی شخص کا نقطۂ نظر یہ ہو کہ قرآن کا ایک لفظ لے کر توضیحاتِ رسولؐ اور احکامِ رسولؐ سے بالکل رُوگردانی کر کے اس کا مفہوم متعین کرنا ہے تو پھر سارے قرآن کو بالکل الٹا یا جا سکتا ہے۔

قرآن اور حدیث کے قوانینِ حرمت کو سامنے رکھ کر فقہاء نے ایک قاعدہ کلیہ بنایا ہے، جس کی صحت کو عقلِ سلیم رکھنے والا ہر شخص بلا تامل محسوس کرے گا کہ "ما ادی الی الحرام فھو حرام" جو چیز حرام تک پہنچانے یا حرام میں مبتلا کرنے کی باعث بنے وہ بھی حرام ہے۔ اس قاعدہ کے مطابق قرآن ہی میں بے شمار احکام ہیں، مثلاً پردے کا سارا نظام زنا کو روکنے کے لیے ہے۔ شریعت کو جس چیز سے روکنا ہوتا ہے وہ صرف اسی سے منع نہیں کرتی، بلکہ اس کے ذرائع اور محرکات و موئیدات کا سدّباب کرنے کے لیے فصیلیں بناتی ہے، باڑیں لگاتی ہے۔ اب جن لوگوں کو نظامِ شریعت کی ساخت ہی کا علم نہ ہو وہ کسی آیت یا کسی آیت کے کسی لفظ کو لے کر جو معنی چاہیں اس پر لاد سکتے ہیں۔

۵ ـــــ اب آپ کے آخری سوال کی باری ہے، جو بڑا بھاری سوال ہے۔

دین یا شریعت یا فقہ کے نظام کا تعلق کسی معاشرے یا اُمت سے ہوتا ہے۔ اس کی عمومی اکثریت ایک خاص طرح کے عقائد رکھتی ہے۔ دین کا ایک تصور اس میں کارفرما ہوتا ہے۔ شریعت یا قانون و فقہ کا ایک نظام صدیوں سے اس میں نشوونما پاتا ہے۔ کسی قوم کے درمیان فیصلہ کرنے والے جج کا یہ منصب نہیں کہ وہ عامۃ الناس کے دینی اور شرعی مسلّمات کو توڑ کر فیصلے کرنے لگے۔ یوں بھی شریعت میں "معروف" اور جدید قوانین میں "رسم و رواج" کو قانونی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ لوگوں پر لوگوں کی مرضی کے خلاف فیصلے ٹھونسنے سے پہلے کسی "مصلح" آدمی کو جج کی کرسی پر بیٹھنے کے بجائے لوگوں میں اپنے نئے نقطۂ نظر کی دعوت پھیلانے اور عوام کو تعلیم دینے کا کام کرنا چاہیے۔ پھر اگر وہ اپنے کسی نقطۂ نظر کے لیے فضا کو تیار کرلے اور رائے عام اس کے ساتھ ہو جائے تو وہ انصاف کی کرسی پر بیٹھنے کا موقع پائے تو ضرور اپنے نقطۂ نظر کے مطابق فیصلہ کرے۔ منصب قضا اپنے عقاید، تصوّرات اور مزعومات کو ٹھونسنے کا نام نہیں، یہ تو مسلّمات کے مطابق فیصلے کرنے کا منصب ہے۔ جسے عامۃ الناس کے اساسی تصور دین و شریعت یا قانونی و اخلاقی مسلّمات سے اختلاف ہو، وہ کوئی دوسری خدمت انجام دے۔

یہاں تو وہ قوم بستی ہے جس نے پاکستان کی تحریک اس لیے چلائی کہ وہ کتاب و سنّت کے مطابق زندگی کی تشکیل نو چاہتی تھی۔ پھر اس نے دستوری طور پر یہ بات ثبت کرائی کہ تمام قوانین اور فیصلے کتاب و سنّت کے مطابق ہوں گے۔ ایسی صورت میں اگر کوئی قاضی مسند قضاء پر بیٹھ کر کتاب کو سنّت سے الگ کر کے لیتا ہے اور سنت کو ذریعۂ توضیح قرآن نہیں مانتا تو پہلے اسے قوم کو اپنے نئے اور مختلف خیالات کا قائل بنانا چاہیے۔ ورنہ محکمہ عدلیہ کے دیے ہوئے اختیارات کو اگر قوم کی مرضی عام اور طے شدہ دستوری اصول کے خلاف وہ استعمال کرتا ہے تو یہ ایک ایسی کارروائی ہے جس کا نظام مروج میں کوئی راستہ موجود نہیں ہے۔

رجم کی سزا کا مسئلہ ہو یا شراب کی حرمت کی بحث۔ صحیح امر یہ ہے کہ اگر اتفاق سے کوئی غیر مسلم جج بھی کرسی پر بیٹھا ہو تو وہ فیصلہ عامۃ المسلمین کے مسلک کے مطابق دے۔ اور اگر کسی کا ضمیر اس پر راضی نہ ہو تو وہ کسی بھی ایسے معاملے کو ہاتھ میں لینے سے انکار کر دے، جس کے متعلق وہ عامۃ المسلمین کے مسلّمات کے مطابق فیصلہ دینے پر تیار نہ ہو۔

اس کی ایک مثال انگریزی دور کے عدلیہ کی گذر چکی ہے۔ اس سامراجی قوت نے ہم کو غلام بنانے کے باوجود پرسنل لا کی حد تک ہماری شریعت اور ہماری فقہ میں مداخلت سے اجتناب کیا ہے۔ حتیٰ کہ پریوی کونسل تک نے کوئی ایسا فیصلہ دینے سے انکار کر دیا جس سے سنت نبوی، ہدایہ اور عالمگیری میں درج شدہ ضابطے ...... ٹکراتے ہوں۔ آجکل بھارتی حکومت بار بار ایسے اقدامات کر رہی ہے جن سے مسلمانوں کے پرسنل لا کو درہم برہم کرنا مطلوب ہے۔ اگر یہی روش ہمارے یہاں اختیار کر لی جائے تو پھر بھارت ہی نہیں، یورپ اور امریکہ و برطانیہ میں بھی مسلمانوں کے کسی دینی قاعدے قانون کا کوئی لحاظ باقی نہ رہے گا۔

یہ نازک مرحلہ جب کہ نفاذِ شریعت کا نعرہ گونج رہا ہے۔ اسلامی قانون کی تدوین کے لیے کونسل بیٹھی ہے۔ کچھ قوانین مدون ہو چکے ہیں، شرعی عدالتوں کا چرچا ہے۔ اور لوگ دم سادھے یہ دیکھ رہے ہیں کہ دیکھیں کیا ہونے والا ہے، اس وقت اگر قانونِ شریعت میں طرح طرح کے نئے شگوفے عدلیہ کی طرف سے چھوڑے جانے لگے تو عامۃ الناس کا اعتماد متزلزل ہو جائے گا۔

جی ہاں! آپ کے سوال کے آخری جزء کا جواب میں اثبات میں دیتا ہوں۔ اگر کسی جج کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے سنت سے انحراف کیا ہے یا اسے قانونی وقعت نہیں دی ہے تو یہ دستور کے متعین کردہ بنیادی اصول کی ایسی خلاف ورزی ہے کہ اس پر مقدمہ چلایا جا سکتا ہے —— چاہے پارلیمنٹ میں ہو، چاہے ہائی کورٹوں اور سپریم کورٹ کے سربراہ ججوں کے ایک بنچ کے سامنے، چاہے علماء کے کسی نمائندہ بورڈ کے سامنے اور چاہیں تو تدوینِ قانونِ اسلامی کی وفاقی کونسل کے سامنے۔ قانون ان میں سے کوئی بھی صورت طے کر سکتا ہے۔ پہلا قدم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ معاملہ باں تو عدالت کے سامنے لے جایا جا سکے۔